QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

قرآن وسنت کی روشنی مجلس شوری کے اختیارات کا تحقیقی مطالعہ

AN ANALYTICAL STUDY OF THE AUTHORITY OF THE CONSULTATIVE ASSEMBLY IN THE LIGHT OF THE QUR'AN AND SUNNAH

Noor Wali Khan *(Corresponding author)*
PhD Scholar, Department of Islamic Studies,
Imperial College of Business Studies, Lahore
noorwali287@gmail.com
Dr. Abdul Ghaffar
Assistant Professor, Department of Islamic Studies
University of Okara, Okara

Abstract:

Parliament, the judiciary, and the executive are responsible for ensuring the rule of law in a state. Legislation is primarily meant to safeguard the rights and responsibilities of citizens and to protect their life, property, honor, and dignity. These institutions must establish justice, strengthen the state, uphold its ideological foundations, and maintain discipline. Alongside these three branches, there are several other state institutions, such as the military, which is responsible for national security. In the modern era, the media has also emerged as a supplementary state institution. Its role is to inform the public about legislative processes, judicial interpretations, and the administrative implementation of laws. Since the discussion here focuses on state institutions in the light of the Qur'an and Sunnah, it is necessary to examine how such institutions existed during the time of the Prophet Muhammad (ﷺ) and the era of the Companions. Although political science was not as developed then as it is today, its core principles—such as giving importance to public opinion and collective welfare—were present during the Prophet's time and the rule of the Rightly Guided Caliphs.

Keywords: Authority; Consultative; Assembly; Qur'an and Sunnah

پارلیمنٹ، عدلیہ اور انتظامیہ ان تینوں اداروں کا کام یہ ہوتا ہے کہ یہ ریاست میں قانون کی حکمرانی کو یقینی بنائیں ، قانون سازی کس کام کے لیے کی جاتی ہے ،اس کا اہم پہلو یہ ہوتا ہے کہ ملک کے رعایا یعنی شہریوں کے حقوق اور فرائض کو یقینی بنایا جاے نیز عوام کے جان مال عزت اور آبرو کی حفاظت کو بھی یقینی بنایا جائے۔ نیز ان اداروں کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ملک میں انصاف کی فضا قائم کریں اور ملک کو مستحکم کریں اس کی نظریاتی بنیادوں کو مستحکم کریں اور یہاں نظم و نسق یعنی ڈسپلن کو یقینی بنائیں۔ان تینوں ریاستی اداروں کے علاوہ ریاست کے اور بھی بے شمار ادارے ہوتے ہیں جیسے کہ عسکری ادارہ یعنی فوج ملک کی سلامتی کا ادارہ ہوتا ہے۔اس کے علاوہ آج کے جدید دور میں میڈیا ایک ضمنی ریاستی ادارے کا کردار ادا کر رہا ہے میڈیا کا کام یہ ہوتا ہے کہ مقننہ کی قانون سازی اور عدلیہ، انتظامیہ کی ذمہ داریوں کے حوالے سے عوام کو شناسائی دے اور اس کی تشہیر کریں تاکہ عوام کو مجلس قانون ساز کی قانون سازی کا پتہ ہو، عدلیہ نے کسی قانون کی کیا وضاحت کی ہے، اس بات کا پتہ ہو۔اسی طرح قانون کی وضاحت کے بعد انتظامیہ اس قانون پر کس حد تک عمل درآمد کی مجاز ہے اس بارے میں آگاہی کا کام میڈیا کا ہوتا ہے۔چونکہ اس باب میں قرآن وسنت کی روشنی میں ریاستی اداروں کے اختیارات پر گفتگو کی جائے گی، اس لیے ضروری ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور عہد صحابہ کرامؓ میں ریاستی اداروں کا تعین کیا جائے یہ بات بالکل واضح ہے کہ آج کے دور میں علوم سیاسیات نے جس درجے پر ترقی کی ہے عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہؓ میں اتنی ترقی نہیں ہوئی تھی لیکن آج کی علم سیاسیات کی اصل روح عہد نبویؐ میں اور عہد خلفائے راشدین میں موجود رہی یعنی آج کے دور میں جمہور یعنی عوام کو اہمیت دی جاتی ہے۔ عوام کے فلاح و بہبود کے مطابق قوانین بنائے جاتے ہیں ، قانون سازی کی جاتی ہے بالکل اسی طرح عہد نبوی ﷺ میں اور عہد خلفائے راشدینؓ میں اصل مقصد عوام کی خدمت رہی عوام کے حقوق اور فرائض کی حفاظت رہے۔لہذا اس دور میں باقاعدہ مجلس قانون ساز یعنی پارلیمنٹ کا وجود تو نہیں تھا لیکن قانون سازی کے حوالے سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بطور امیر ریاست

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

مدنی ریاست میں موجود رہے یہ حقیقت ہے کہ قانون سازی کا اصل مرکز اور محور تو قران مجید ہے اور اس کی تشریح اور توضیح سنت نبویہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہے لیکن بہت سارے امور ایسے تھے اور ایسے امور واقع ہوتے رہیں گے کہ جن کے بارے میں قانون سازی کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ قران مجید اصولوں کا مجموعہ ہے اور قران کے یہ اصول ہر زمانے میں ہر خطے میں ہر قوم میں نافذ العمل ہو سکتے ہیں اب قرآن مجید کے یہ زریں اصول کیسے نافذ العمل کیے جائیں اس کے لیے وقتاً فوقتاً قانون سازی کی جائے گی اور یہی دین اسلام کی اصل روح ہے اسی لیے اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے۔

دوسرا ادارہ جسے قضا یا عدلیہ کا ادارہ کہتے ہیں عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد خلفائے راشدین میں باقاعدہ قاضی القضا ہوا کرتے تھے عدالتیں لگتی تھی اور فیصلے سناتی تھی اور ان کے فیصلوں کے نتیجے میں رعایا کو سزائیں بھی ہوتی تھیں گویا کہ اج کے دور میں سپریم کورٹ ہائی کورٹ سیشن کورٹ وغیرہ جتنی بھی عدالتیں ہیں اس کی بھی اصل روح اپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں موجود رہی اور وہ ہے عدل وانصاف، اسی طرح ریاست کا تیسرا اہم بڑا ادارہ انتظامیہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں انتظامیہ کا ایک وجود ہوا کرتا تھا اپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے زمانے میں بھی قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کو گرفتار کیا جاتا تھا اور باقاعدہ انہیں سزائیں دی جاتی تھیں۔ اس پورے باب میں قرآن وسنت کی روشنی میں مقننہ یا مجلس قانون ساز کا مفہوم اس کے فرائض واختیارات، مقاصد اسی طرح عدلیہ کا وجود اس کے اختیارات اور انتظامیہ کے حقوق اور فرائض کے بارے میں تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔

تحقیق کا بنیادی سوال:

قرآن وسنت کی روشنی میں مجلسِ شوریٰ کے اختیارات کی نوعیت، حدود اور دائرۂ کار کیا ہے؟

عہد نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم میں قانون سازی کا ادارہ

اسلام کے فروعی احکام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشاورت کی۔ جب کہ اسلام کے اصولی معاملات میں کوئی مشاورت یا اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے، مثال کے طور پر عقائد میں کوئی اجتہاد اور مشاورت نہیں ، اسی طرح عبادات میں جو نص کے ذریعے سے بتائے گئے ہیں اور واضح ہے اس میں بھی گنجائش نہیں، مثلاً روزہ رمضان میں فرض ہے زکوۃ کے لیے ڈھائی فیصد معیار ہے حج کے لیے استطاعت شرط ہے نماز کے پانچ اوقات مقرر ہیں البتہ دینی معاملات کے ایسے اجزاء کہ جس کا تعلق مشاورت سے ہو یعنی جس کے بارے میں شریعت مطہرہ نے سکوت اختیار کیا ہو اور واضعِ قوانین نے اِس بارے میں کوئی صراحت نہ فرمائی ہو، اس کا مطلب یہ کہ یہ امّت پر چھوڑ دیا گیا ہے، کہ امت اس معاملے میں اپنے وقت اور حالات کے مطابق اجتہاد کرے۔ ویسے بھی مصادر فقہ میں ایسے معاملات جس کا تعلق حالات کے تغیر اور تبدل کے ساتھ ہوتا ہے تو اس کا حل قرآن، سنت ، اجماع، قیاس اور اجتہاد کے ذریعے جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینی، معاشرتی، سیاسی، عسکری، سماجی اور دیگر معاملات میں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے مشاورت کی۔ جس کی بے شمار مثالیں مل سکتی ہیں۔ اس مقصد کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریاست مدینہ میں ایسی شوری تشکیل فرمائی جس میں سیاسی اور انتظامی اہلیت کے حامل افراد شامل کیے گئے تھے، اور یہ ایسے افراد تھے جو صاحب الرائے تھے یعنی اپنے فن کے ماہرین اور باصلاحیت لوگ تھے۔ اس شوری میں ریاستی، دینی، اقتصادی، دفاعی، عسکری، انتظامی، بین القبائلی، اور بین الاقوامی معاملات پر غور وحوض کیا جاتا رہا۔ اور مشاورت ہوتی تھی۔ اس کی بہترین مثال آذان کے مروجہ کلمات ہیں ، یعنی ریاست مدینہ کا پہلے شوری کا جو اجلاس ہوا اس میں نماز کو بلانے کے لیے طریقے کار پر گفت وشنید ہوئی ، جس کے نتیجے میں متفقہ طور پر مروجہ آذان کے کلمات مقرر کیے گئے۔ اس کے علاوہ مسجد نبوی کی تعمیر کے لیے جو جگہ منتخب کی گئی تھی اس کا تعین بھی مشاورت سے کیا گیا تھا، مدینہ کے یہودی قبائل کی وہ زمینیں جو مسلمان فوج کے قبضے میں آگئی تھی ان مفتوحہ زمینوں کی تقسیم انصار کی مشاورت سے کی گئی تھی۔[1]

پردے کے سلسلے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کی مشاورت کو بالاخر قانونی درجہ حاصل ہو گیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا کے مشورے پر صلح حدیبیہ کے موقع پر انتہائی نازک فیصلہ اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا تھا اس کے علاوہ جنگ خیبر کے موقع پر مسلمان خواتین کو اس لیے جنگ میں شرکت کی اجازت دی گئی تھی کہ ان کی رائے تھی اور ان کی خواہش اور اصرار تھی اسی طرح حضرت ابوسفیان بن حرب اور حضرت اکرمہ بن ابی جہل اور دیگر جو اشراف تھے، ان کو معافی کا

[1] ۔ واقدی محمد بن عمر بن واقد السہمی الاسلمی، فتوح الشام، دار الکتب العلمیہ لبنان، 1997، ج:3، ص:788

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

مشورہ صحابہ کرامؓ نے دیا تھا اور اسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمادیا تھا، اسی طرح حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیا کہ حضرت ابوسفیان کے گھر کو دارالامان قرار دیا جائے، اس کے علاوہ واقعہ ایلا کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی مشیر حضرت عمر فاروق ہی تھے، اسی طرح غزوہ خندق اور خیبر کے موقع پر انصار صحابہؓ کے سرداروں سے مشاورت کی گئی تھی ، اور مختلف فیصلے صادر کیے تھے۔([2])

عہد نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مذکورہ بالا مثالوں کے علاوہ عہد خلفائے راشدین میں بھی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ اس حقیقت کا ادراک ہونا چاہیے کہ عہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد خلفائے راشدین کی طرز حکمرانی میں ریاست کے تینوں ادارے یعنی مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ آپس میں مربوط تھے۔ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی بہترین مثال خود نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ذات اقدس ہے کہ ان کی ذات اقدس میں تینوں ادارے ایک وقت میں موجود رہے یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ریاست مدینہ کے حکمران تھے اس کے علاوہ شریعت کی تشریح کرنے والے اور واضع قوانین بھی تھے اور ایک ہی وقت قاضی القضاء کے منصب پر بھی فائز تھے، یعنی عہد نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اطہر میں عاملہ یعنی انتظامیہ ، مقننہ اور عدلیہ تینوں ادارے ایک ساتھ موجود تھے۔

چونکہ انسانی معاشرہ ترقی پذیر ہوتا ہے وقت اور حالات کی وجہ سے محکمہ جات اور قوانین بنائے جاتے ہیں عہد نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حیثیت مسلم تاریخ میں ایک طرح سے ابتدا بھی ہے، اور انتہا بھی ہے، ابتدا کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک ریاست وجود میں آگئی اس ریاست کے جتنے بھی تقاضے تھے، وہ تمام عرب کے مزاج اور طبیعت کے مطابق ابتدائی تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بڑے احسن طریقے سے سرانجام دیا۔ انتہا یہ ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ریاست کے خدوخال طے کیے ، اور بنیادی اصول طے کر دیے ، نظام حکمرانی کا طریقہ کوئی بھی ہو، چاہے وہ موجودہ دور کا پارلیمانی نظام ہو، یا صدارتی نظام ہو، یا شہنشاہی نظام ہ، و دنیا میں کوئی بھی نظام رائج ہو، قطع نظر اس کے کہ وہ کسی اسلامی ملک میں ہے، یا غیر اسلامی ملک میں ہے، اگر حکومت ایسی ہو کہ جس میں جمہوریت کا اصول ہو، عوام کو حق نمائندگی دی جاتی ہو، اور سب سے بڑھ کر اس ملک میں اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی تعلیمات کے منافی کوئی قانون نہیں بنتا ہو، تو ایسی حکومت گویا کہ اسلامی یا فلاحی ریاست کہلائی جاسکتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں جو ریاست قائم کی تھی ا، س کی انتہا سے یہ مراد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ لوگوں کے لیے حدود اور قیود کا اہتمام فرمادیا ہے، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بعد کوئی بھی کہیں بھی حکومت بنتی ہے، تو اس میں بہترین اور زریں اصول یہی رہیں گے، یعنی اقتدار چلانے میں جمہور کی شمولیت ہو اور کوئی بھی قانون قرآن وسنت کے منافی نہ بنایا جائے ظاہری صورت کوئی بھی ہو۔ خلفائے راشدین کے دور میں یہی اصول کارفرما رہا، گو کہ اُس دور میں مختلف محکمہ جات وجود میں آچکے تھے، مسلمان خلفاء، انتظام مملکت چلانے میں اور قانون سازی میں شوری کے ارکان کو شامل کرتے تھے، اور ارکان براہ راست قانون سازی میں حصہ لیتے رہے، شوری کے اجلاسات بھی ہوتے رہے، ان اجلاسات میں نئے آنے والے مسائل کے لیے قوانین بنتے اور ان مسائل کو سلجھانے کی کوشش کی جاتی رہی، اس بارے میں مولانا حمد الانصاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب اسلام کا نظام حکومت میں خلفائے راشدین کے حوالے سے یوں بیان کیا ہے۔

"خلفاء راشدین بھی اسلامی مملکت کے انتظام کے ساتھ ساتھ قانون سازی اور دیگر اجتماعی معاملات کی بابت شوری کے عمل میں براہ راست حصہ لیتے رہے وہ بوقت ضرورت شوری کے اجلاس طلب کرتے اور نت نئے پیش آمدہ قانونی وانتظامی اور ملکی مسائل کو اس کے سامنے پیش کرتے، اور بوقت ضرورت ان کے بارے میں مجلس شوری کے سامنے اپنا نقطہ نظر بھی بیان کرتے۔ اس اعتبار سے ان خلفاء کی حیثیت سربراہ حکومت کے ساتھ مجلس شوری کے قائد اور اس کے سربراہ یعنی صدر کی بھی ہوتی تھی۔([3])

---

[2] ۔ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، دارالسلام للنشر والتوضیع، 2006، ریاض سعودی عرب، رقم الحدیث: 2396

[3] - غازی، حامد الانصاری، اسلام کا نظام حکومت، مکتبہ الحسن، س ن صفحہ: 305

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

مجلس شوریٰ کی تشکیل

اسلامی ریاست میں حکومت کی تشکیل مشورے کی بنیاد پر عمل میں لائی جائے گی مشورہ ملت کا ہو گا ملت کے مشورے سے ہی نظام حکومت چلے گا۔اس بنیادی اصول کے پیچھے کارفرما قران مجید کی صریح نص ہے۔یعنی وامرھم شوری بینھم ([4]) ترجمہ :ان مومنوں کا امر (اجتماعی نظام) باہم مشورے سے انجام پاتا ہے۔

آیت کریمہ کے اس حصے میں لفظ امر سیاسی زندگی کے ہر معاملہ جس کی حیثیت اجتماعی نوعیت کی ہو سے متعلق ہے۔اگر کسی سیاسی معاملے میں ملت کی رائے منقسم ہے تو کثرت رائے سے معاملہ حل کیا جائے گا، یعنی اکثریتی امیدواروں کی بات کو ترجیح دی جائے گی ،اور یہی جمہوریت ہے۔اسلامی ریاست کے اندر رہتے ہوئے کسی بھی وقت ،کوئی بھی قانون، جس کا تعلق شورائیت کے ساتھ ہو وہ بغیر ملت کے مشورے کے لاگو نہیں کیا جائے گا۔اسلامی ریاست کے تمام تر فیصلے قرآن مجید کے اصول شورائیت کی بنیاد پر ہوں گے،اس مقصد کے لیے ایک منتخب مجلس کا ہونا ضروری ہے۔چنانچہ اس بارے میں علامہ اسد یوں کہتے ہیں ۔

"چنانچہ اسلام میں ریاست کا نظم و نسق لازمی طور پر جمہور مسلمانوں کے معتد علیہ و منتخب اہل و عقد پر مشتمل مجلس شوریٰ کی مشاورت سے چلایا جانا چاہیے،اسلامی ریاست میں اجتہاد اور قانون سازی کا وظیفہ بھی جمہور کی نمائندہ و منتخب مجلس شوریٰ کو باہمی مشاورت سے انجام دینا چاہیے۔"[(5)]

مجلسِ شوریٰ۔طریق انتخاب

مجلس شوریٰ کی تشکیل کے لیے بنیادی اصول شریعت کا تعین کرنے کے بعد اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مجلس شوریٰ کی تشکیل کیسے کی جائے،یعنی شریعت کے اصول پر امور مملکت میں جمہور مسلمین کے مشورے اور شرکت کی ظاہری صورت کیا ہو سکتی ہے؟ان مسلمین کے ماہرین کا انتخاب کیسے کیا جائے؟کیا امیر المومنین ایسے ماہرین کا خود تعین کر سکتا ہے؟اس طرح کے ملتے جلتے سوالات ہیں جن کا جواب عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد خلفائے راشدین میں قائم سلطنتوں کے حوالے سے تلاش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا معمول یہی رہا ہے کہ انتظام حکومت کو چلانے کے لیے اور قانون سازی کے لیے اہل الرائے لوگوں سے مشاورت کی جاتی تھی یہ اہل رائے لوگ کون تھے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا زمانہ قبائل زمانہ تھا اس لیے قبائلی سردار اور اس وقت کے ایسے لوگ جنہوں نے شروع میں اسلام قبول کیا جنہیں سابقین اولین کہتے ہیں ان لوگوں سے مشاورت کی جاتی تھی اور یہ ایسے لوگ تھے جو صاحب فن،صاحب بصیرت،صاحب عقل اور فراست تھے۔یہ صاحب رائے لوگ اتنے باصلاحیت تھے کہ اگر اج کے جدید دور میں ان کے بارے میں ووٹنگ کی جائے تو یہی لوگ منتخب کیے جاتے ہیں اس بارے میں سید ابوالاعلی مودودی رحمت اللہ علیہ نے بڑی خوبصورت بات لکھی ہے۔"اہل حل و عقد کچھ متعین لوگ تھے جو فطری طریق انتخاب سے منتخب ہوئے تھے اور مسلمان قبیلوں کے ایسے معتمد علیہ تھے کہ اگر موجودہ زمانے کے طریقے پر انتخابات منعقد ہوتے تب بھی یہی لوگ منتخب ہو کر آتے۔[(6)]

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے کے لوگ اپنے معتمد علیہ ہے لوگوں کے بارے میں واقفیت رکھتے تھے چونکہ سادہ زمانہ تھا اور ایسے زمانے میں لوگ اپنے معتمد علیہ سرداروں کے اندر علم صلاحیت قابلیت جنگی مہارت شعر و شاعری فقاہت خطابت جیسے اوصاف تلاش کرتے تب انہیں اپنے قبیلے کا سربراہ منتخب کرتے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حیات طیبہ میں سیاسی معاشرتی معاملات میں صحابہ کرامؓ سے مشاورت فرماتے اس کے بارے میں قاضی ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کتاب الخراج میں بڑی تفصیلات واضح کر دی ہیں۔طبقات ابن سعد کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں مجلسِ شوریٰ کے ارکان کی تعداد 50 تھی جن میں بعض خواتین بھی شامل تھیں۔یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ شوریٰ میں عام افراد کی شمولیت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی پابندی نہ تھی مگر عموماً رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ان لوگوں سے مشورہ طلب فرماتے جو اہل الرائے ہوتے اور باصلاحیت اور باعمل لوگ ہوتے۔شوریٰ کے یہ ارکان مہاجرین اور انصار کے اکابر صحابہؓ ہوتے۔نوجوان اور بڑی عمر کے صحابہؓ ہوتے یہ صحابہ کرامؓ اپنے اپنے علاقے اور قبیلے کے نمائندہ ہوتے عموماً وسطی عرب کے قبائل کے سردار ہوتے۔

---

[4] ۔الشوریٰ،42:38

[5] ۔محمد ارشد،اسلامی ریاست کی تشکیل محمد اسد کے افکار کا تنقید مطالعہ،صفحہ:386

[6] ۔مودودی اسلامی ریاست صفحہ 364،365

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

خلفائے راشدینؓ کے دور میں بھی یہی انداز قائم ودائم رہا، کیونکہ عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہ کرامؓ کے درمیان زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا، لہذا اس وقت کے اہل حل وعقد نے یہ ضرورت محسوس نہیں کی کہ مجلس شوریٰ کی ترکیب اور ہیئت کو بدلا جائے، یا ارکان کے انتخاب اور تعین کے طریقوں پر بحث کی جائے اور کوئی نیا طریقہ متعارف کرایا جائے، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان طریقوں میں بدلاؤ کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اس بارے میں مشہور مسلم سکالر علامہ اسد نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ان کے مطابق بدلتے وقت کے ساتھ ساتھ اُمت کے اہل حل وعقد کے چناؤ کے لیے ایسا طریقہ کار اختیار کیا جائے، جس سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہو، کہ جن افراد کا چناؤ کیا گیا ہے، یہ واقعی اُمت کے خیر خواہ ہیں، چنانچہ وہ اس بارے میں یوں لکھتے ہیں۔ "موجودہ اسلامی معاشرہ دوسرے مذہب ومتمدن معاشروں کی طرح قبائلی زندگی کے طور طریقوں سے مدت ہوئی بہت آگے نکل چکا ہے، اور اب قبائلی قیادت اپنی وہ اہمیت بھی کھو چکی ہے جو پہلے اسے حاصل تھی، لہذا ہمارے پاس ملت کی رائے عامہ معلوم کرنے کے لیے عوامی رائے شماری یعنی ووٹ کے سوا کوئی ذریعہ نہیں رہا، حد درجہ اہم معاملات میں ووٹ کا مسئلہ استصواب رائے (ریفرنڈم) کی شکل اختیار کر سکتا ہے، مجلس شوریٰ کی تشکیل کے معاملے میں انتخابات سے بہتر کوئی طریقہ ابھی تک کسی نے ایجاد نہیں کیا، انتخابات سے مراد یہ ہے کہ ملت آزادانہ طور پر اپنی مرضی سے افراد کی ایک تعداد چن لے، جو ان کی نمائندگی کے فرائض انجام دیں۔"[7] علامہ اسد کے مطابق مجلس شوریٰ کی تشکیل کے لیے انتخابات ضروری ہے ان کی یہ رائے قرآن مجید کے اصول شرائط کے موافق ہے، جبکہ اس رائے پر بلند پایا، دوسرے علماء نے اختلاف رائے اختیار کیا ہے، جس میں دو علماء کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ پہلے درجے میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی ان کی رائے کے مطابق اگرچہ امیر مملکت کے لیے ایک مجلس شوریٰ کا ہونا ضروری ہے، کہ جن کے مشورے سے حکومت کا کارخانہ چلے ،لیکن مجلس شوریٰ کے قیام کے لیے یہ ضروری نہیں کہ رائے عامہ سے ممبر منتخب کیے جائیں، بلکہ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے، کہ امیر مملکت ملک کے چیدہ افراد کو اپنی نظر میں رکھے، اور جب ضرورت پڑے ان سے مشورہ کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ میں ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ و عمر فاروق سے مشورہ فرماتے، اور خلفائے راشدین کا طریقہ یہ رہا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا، تو اکابر مہاجرین اور اکابر انصار کو بلا کر مشورہ فرماتے، خلفائے راشدین کے دور حکومت میں الیکشن کے ذریعے کوئی مجلس شوریٰ قائم نہیں کی گئی ،اس کا تمام تر دارومدار امیر مملکت کی فہم وفراست اور اس کی امانت اور دیانت پر ہے[8] محمد ادریس کاندھلوی کے مطابق مجلسِ شوریٰ ایک غیر متعین چیز ہے اور سربراہ مملکت جن اشخاص کے بارے میں رائے رکھے، کہ ان اشخاص سے مشورہ کیا جائے تو وہ ان سے مشورہ کریں، اسے مجلس شوریٰ کے قیام کے لیے کسی انتخاب کی ضرورت کوئی نہیں۔ ان کے علاوہ ایک دوسرے بلند پایا عالم دین مولانا محمد اسحاق سندیلوی کی رائے بھی اسی کے قریب قریب ہے۔ ان کے خیال میں مجلس شوری کے تقرر کے لیے عام لوگوں کی رائے معلوم کرنا ضروری نہیں۔ یہ کام امیر مملکت خود بھی انجام دے سکتا ہے یا پھر اس مقصد کے لیے علماء کی ایک کمیٹی بنائی جا سکتی ہے۔ مولانا محمد اسحاق سندیلوی کی رائے کے مطابق اسلام مسلمانوں کی سیاسی قیادت کا حق دراصل علمائے دین ہی کو دیتا ہے اور ایک دینی سٹیٹ کا داعی ہونے کے اعتبار سے ایسا کرنا بھی چاہیے، متقی علماء میں سے وہ اشخاص جو عوام الناس پر خاص اثر رکھتے ہیں، ان کے سیاسی مسائل سے دلچسپی لیتے ہیں، اور ان کے حل کا سلیقہ رکھتے ہیں ارباب حل و عقد کا صحیح مصداق ہیں ان کی دینی وسیاسی قابلیت ومہارت اور اس کے ساتھ دین داری شرعاً انہیں اس منصب پر فائز کرنے کے لیے کافی ہے، عوام الناس کے آرا اور ان کے انتخاب کی کوئی حاجت نہیں۔[9] مولانا ادریس کاندھلوی اور مولانا محمد اسحاق سندیلوی کی رائے کے مقابلے میں علامہ اسد کی رائے کا تجزیہ کیا جائے، تو علامہ اسد کے دلائل زیادہ قوی لگتے ہیں، کیونکہ ان کی دلائل معقول اور فطری ہیں۔ مقالہ نگار کا بھی یہی خیال ہے کہ مجلس شوریٰ کی تشکیل کا ذریعہ ووٹ ہی ہے یہی رائے علامہ اسد کی بھی ہے۔

---

[7] ۔ محمد ارشد، اسلامی ریاست کی تشکیل محمد اسد کے افکار کا تنقیدی مطالعہ، صفحہ: 387

[8] ۔ کاندھلوی محمد ادریس دستور اسلام مع نظام اسلام، مکتبہ عثمانیہ، لاہور صفحہ: 85

[9] ۔ سندیلوی، مولانا محمد اسحاق، اسلام کا سیاسی نظام، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد، صفحہ: 171

ارکانِ مجلس شوریٰ کی اہلیت کی شرائط

مجلس شوری جس عظیم مقصد کے لیے تشکیل دی جاتی ہے اس مقصد کا تقاضہ یہ ہے کہ اس مجلس کے ارکان بھی اس مجلس کے معیار کے مطابق ہوں اس بارے میں بہت سے مفکرین نے طبع آزمائی کی ہے، ان میں سر فہرست ابوالحسن علی الماوردی کی رائے کو بہت اہمیت حاصل ہے ان کے نزدیک اہل الرائے یا وہ لوگ جو امام کا انتخاب کرتے ہیں ان میں تین اوصاف کا ہونا بہت ضروری ہے نمبر ایک ان میں مکمل طور پر حق اور انصاف کی رعایت کی صلاحیت موجود ہو یعنی عادل ہو۔ نمبر دو: انہیں یہ علم ہو کہ امامت کی مختلف شرائط کے پیش نظر کون سا شخص اس منصب کا اہل ہے، اور امت کے مصالح کو بہتر جانتا، اور ان کی نگہبانی کر سکتا ہے۔ نمبر تین ان میں دانائی اور فکر کی صلاحیتیں موجود ہوں تاکہ وہ بہترین اہلیت رکھنے والے آدمی کا انتخاب کر سکے۔[10]

دوسرے درجے میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی رائے آتی ہے ان کے مطابق سربراہ مملکت کو صرف ایسے لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو کتاب وسنت اور اجماع امت سے بخوبی واقف ہوں اسے ان کے علاوہ کسی اور سے مشورہ نہ کرنا چاہیے امام ابن تیمیہ کے نزدیک اہل شوریٰ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اُمت کے مسائل سے بخوبی آگاہ ہوں، صائب الرائے ہوں، اور دین و شریعت میں رسوخ رکھتے ہوں۔[11]

مجلس شوریٰ-وظائف وواجبات

مجلس شوری کی تشکیل کے بعد اس بات کی وضاحت بہت ضروری ہے کہ اس مجلس کے کیا فرائض ہیں ؟اس مجلس کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟اس مقصد کے لیے شریعت مطہرہ نے کیا رہنمائی فرمائی ہے ؟ مجلس شوری کا کام قانون سازی کے علاوہ اجتماعی، ملکی اور ملی معاملات میں فیصلہ کرنا، ان کے متعلق پالیسی وضع کرنا جیسے اہم اعمال سرانجام دینا ہے۔ اس بارے میں بنیادی شرط یہ ہے کہ مجلس شوری کی قانون سازی شریعت کی مطہرہ کی بنیادی روح اس کے مقاصد اور اس کے منشا کے خلاف نہ ہو نیز قانون سازی ایسی ہو جس میں ملت کے مصالح اور حالات اور زمانے کے تقاضوں کی رعایت رکھی گئی ہو۔ اس اصول کو رکھتے ہوئے اسوہ حسنہ اور خلفائے راشدین کے تعامل کا جب مطالعہ کیا جائے تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ وہاں شریعت کا بہترین نظام قائم تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر سیاسی، انتظامی، جنگی، اقتصادی اور سماجی معاملات میں صحابہ کرامؓ سے مشاورت فرمایا کرتے تھے۔ یہی اصول زمانہ خلافت راشدہ میں بھی جاری وساری رہا، کہ ملک کے انتظامی، قانونی ، سماجی اور اقتصادی معاملات میں جہاں پر کتاب وسنت میں سکوت نظر آتا ہو تو اس وقت شوری کے ذریعے سے معاملات طے کیے جاتے اس وجہ سے خلافت راشدہ کو شورائی اور جمہوری خلافت کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔[12]

مجلس شوریٰ کے فیصلوں کی قانونی ودستوری حیثیت

اسلامی ریاست میں مجلس شوری کے فیصلوں کی کیا اہمیت ہے ؟ قانونی و دستوری اعتبار سے کیا حیثیت ہے ؟ کیا مجلس شوری کے فیصلے واجب التعمیل ہیں یا نہیں ؟ کیا شوریٰ کے ارکان سے جو مشاورت کی جاتی ہے یہ صرف خانہ پوری کے لیے ہے ؟ یا واقعی فیصلہ لینے کے لیے ہیں ؟اس طرح کے بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں، لہذا اس بارے میں شریعت مطہرہ نے درست رہنمائی فرمائی ہے۔ البتہ اجتہادی طور پر یہاں دو موقف پائے جاتے ہیں۔ ایک قسم کے علمائے کرام کا موقف یہ ہے کہ مسلمانوں کے اجتماعی معاملات باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں لیکن اس معاملے میں امیر مملکت اگر چاہیں تو اپنا فیصلہ بھی سنا سکتے ہیں اور شورے کے فیصلے کو رد بھی کر سکتا ہے قبول کرنا چاہے تو قبول بھی کر سکتا ہے اس موقف کی تائید کرنے والے قرآنی دلائل پیش کرتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ مولانا سید ابوالاعلی مودودی رحمۃ اللہ علیہ قرآن مجید کی ان دو آیات یعنی وامرهم شورى بينهم (13) اور دوسری آیت کریمہ (وشاورهم في الامر فاذا عزمت فتوكل على الله) ([14]) مشورہ کو لازم ٹھہراتے ہیں

---

10 ۔الماوردی الاحکام السلطانیہ ص :7

11 ۔ابن تیمیہ تقی الدین احمد السیاستہ الشرعیہ فی اصلاح الراعی والرعیتہ المطبعتہ الاسلفیہ ومکتبتھا، القاہرہ 1399ھ، ص:80

12 ۔ابو فارس، حکم الشوری فی الاسلام و نتیجتھا، عمان، الاردن، دار الفرقان 1988 ص:54

13 ۔الشوری 42: 38

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

اور ریاست کے سربراہ کو یہ ہدایت کرتی ہے، کہ مشورہ کرنے کے بعد جب وہ کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں تو اللہ پر بھروسہ کرے اور اس فیصلے کو نافذ کردے، لیکن یہ آیات اس کا جواب بالکل بھی نہیں دیتی کہ سربراہ ریاست شوریٰ کے مشورے اور فیصلوں کا پابند بھی ہے کہ نہیں پھر حدیث مبارکہ بھی اس کے متعلق کوئی قطعی حکم نہیں دیتی([15])

مولانا سید ابوالاعلی مودودی کے علاوہ اس نقطہ نظر کے اور بھی تائید کرنے والے علمائے کرام کا موقف یہ ہے کہ ریاست کے اہل وحل وعقد سے مشورہ کرنا سربراہ ریاست کے لیے گویا کہ ضروری ہے، مگر اس مشورے کے بعد مشورے کے مطابق فیصلہ کرنا اس کے لیے ضروری نہیں ہے، وہ مشورہ کے مطابق عمل کرنا چاہیں تو کر سکتا ہے، نہیں تو رد بھی کر سکتا ہے۔ اس موقف کی تائید میں قرآن مجید کی سورہ آل عمران کی آیت نمبر 159 پیش کی جاتی ہے کہ اس آیت میں لفظ عزم سے مراد سربراہ ریاست کا ادارہ ہے چنانچہ مشورہ کرنے کے بعد وہ جس رائے کو ترجیح دے، اختیار کرے، خواہ وہ کثرت رائے کو ترجیح دے یا اقلیت رائے کو ترجیح دے یا پھر اپنی رائے کو ترجیح دے۔ اس بارے میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے، امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں ترجمہ: "یعنی بس مشورہ کے بعد آپ نے جس چیز کا ارادہ کیا ہے اس کے جاری کرنے کا جب آپ عزم کرلیں تو مشورہ پر نہیں بلکہ اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کیجیے. "

فیصلہ سازی اور اصول اکثریت

اسلامی ریاست میں جب قانون ساز اور فیصلہ ساز گفت وشنید کے بعد کسی ایسے نتیجے پر نہیں پہنچ پاتے کہ جس پر تمام متفق ہوں تو ایسی صورت میں اکثریت رائے کے مطابق فیصلہ کیا جاتا ہے اور یہی رائے دنیا میں مقبول اور محبوب ہیں اگر عام قوانین ہوں تو وہاں صرف سادہ اکثریت ہی کافی ہوگی اور اگر معاملات ایسے ہوں جس کا تعلق ائین اور دستور کے اندر ترمیم کرنا ہو یا مخالف کے خلاف اعلان جنگ کرنا ہو یا اسی نوعیت کے دوسرے مسائل ہوں تو وہاں پر دو تہائی اکثریت کی رائے کو قبول کیا جائے گا اور اس کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ اس بارے میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت بہت اہم اور معنی رکھتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔

ان امتي لا تجتمعوا على ضلالة فاذا رايتم اختلافا فعليكم بالسواد الاعظم ([16])

یعنی میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی اگر تم دیکھو کہ کہیں اختلاف ہے تو سواد اعظم کی پیروی کرو۔ دوسری جگہ پر ایک اور روایت ہے و عليكم بالجماعه و العامه و المسجد([17])

یعنی تمہارا فرض ہے کہ جماعت اور اکثریت یعنی العامہ کے ساتھ رہو۔

اولی الامر سے مراد

لغوی اعتبار سے اولی الامر سے مراد ہے امر والے یا صاحب امر ہے، امر سے کیا مراد ہے امر سے یہاں ہر وہ معاملہ ہے جس کا تعلق امت کے دینی ، دنیاوی، سماجی ، اقتصادی، معاشی یا معاشرتی پہلو سے ہو، اور اس معاملے کے بارے میں قرآن مجید اور سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں واضح رہنمائی موجود نہ ہو یا اجماع اور قیاس کے ذریعے سے اس مسئلے کا حل ممکن نہ ہو تو اس صورت میں صاحب امر کی طرف رجوع کیا جائے گا، صاحب امر سے مراد وہ لوگ ہیں جو معاملات کی تہہ تک پہنچتے ہیں اور مسائل کے مالہ اور ما علیہ سے واقفیت بھی رکھتے ہیں یہ امت کے لیے آسانی کا راستہ بھی تجویز کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی سورت النساء میں اولی الامر کے بارے میں یوں ذکر کیا گیا ہے۔

ترجمہ: "اور جب ان کے پاس کوئی معاملہ آتا ہے امن یا خوف کا تو یہ اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر یہ اسے رسول اور اصحابِ امر کی طرف لٹاتے تو ان میں جو اہلِ استنباط ہیں وہ اسے سمجھتے اور اس کے لئے مناسب عملی اقدام کرتے۔"

---

[14] ۔آل عمران 3:159

[15] ۔مودودی اسلامی ریاست صفحہ 353

[16] ۔ابن ماجہ، سنن، کتاب الفتن، باب السواد الاعظم، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1998، ج:4 ص:367 رقم الحدیث:3950

[17] ۔احمد بن حنبل مسند ج:5 ص:232

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

شیخ محمد عبد مصری اپنی تفسیر المنار جلد نمبر پانچ میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

میں نے ایک عرصے تک اولی الامر کی حقیقت پر غور کیا بالآخر اس نتیجے پر پہنچا کہ اولی الامر سے مراد مسلمانوں کے ارباب حل وعقد ہے اولی الامر کا دائرہ علماء، امراء، حکام، روساء جنود، اکابرینِ قوم، اور تمام رہنماؤں پر وسیع ہے۔ جن کی طرف امت اپنی ضروریات اور مصالح پر رجوع کرتی ہے، اگر امت کا یہ طبقہ کسی معاملے پر متفق ہو جائے تو امت پر اس کی اطاعت واجب ہو گی، بشرط یہ کہ اولی الامر مسلمانوں ہی میں سے ہوں اور ان کا حکم کتاب وسنت کے خلاف نہ پڑتا ہو اور اپنی بحث اور فیصلہ میں کسی دباؤ سے مجبور نہ ہوں ساتھ ہی ان کے اجتہاد کا دائرہ مصالح مومنین تک محدود ہو۔"[18]

چونکہ اسلامی ریاست حقیقت میں علماء مفتیان کرام اور ماہرین فن کے ذریعے سے چلتی ہے لہذا ایسے میں بعض آئمہ تفسیر نے اولی الامر سے مراد طبقہ علماء اور مفتیان کو قرار دیا ہے بشرط یہ کہ یہ علماء مفاد پرست نہ ہو اور علماء سوء نہ ہو اور حقیقت میں اہل اللہ ہو اور ماہرین سیاسیات ہوں اور حالات اور واقعات کے نباض ہونے کے ساتھ ساتھ کتاب و سنت میں گہری بصیرت رکھنے والے ہوں۔

قرآن مجید کے حوالے سے اولی الامر کی وضاحت کے بعد چند احادیث کے حوالے سے بحث کی جائے گی۔

حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی اس آیت فاذا عزمت فتوكل على الله یعنی جب تم کسی بات کا فیصلہ کر لو تو خدا پر اعتماد کرو اور آگے بڑھو کا مطلب دریافت کیا گیا کہ کیا یہ عزم امیر اپنی صوابدید کے مطابق کرے گا یا اہل الرائے کے مشورے کے مطابق ؟آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا استشاره اهل الراي ثم اتباعهم یعنی اہل الرائے سے مشورہ کیا جائے، مشورہ کے بعد حیص بیص کی ضرورت نہیں بلکہ کارساز حقیقی پر تکیہ کیا جائے، اور مشورہ کے مطابق عمل کیا جائے۔([19])

حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ سے ایک دوسری روایت یوں نقل کی جاتی ہے۔

عن علي قال قلت يا رسول الله ان عرض لي امر لم ينزل فيها قضاء في امره ولا سنه كيف تامرني قال تجعلونه شورى بين اهل الفقه بدينا من المؤمنين ولا تقضي برايك خاصه رواه الطبراني في الاوسط

ترجمہ: حضرت علی سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر میرے روبرو کوئی ایسا معاملہ پیش اجائے جس کے بارے میں نہ تو کوئی فیصلہ نازل ہوا ہو اور نہ ہی کوئی سنت ایسی صورت میں اپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ اس معاملے کو دین کی سمجھ رکھنے والے اور خدا ترس مومنوں کی شوری کے حوالے کر دو اور تم اپنی تنہا رائے سے فیصلہ نہ کرو۔ حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ کی ان دونوں روایات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقاعدہ حکم دیا کہ کسی معاملے میں جب واضح نص موجود نہ ہو تو اس معاملے میں فیصلہ دین دار اور خدا ترس لوگوں کے حوالے کیا جائے یعنی اولی الامر یعنی اہل حل وعقد کی مشاورت سے فیصلہ کیا جائے۔([20])حضرت ابو سلمہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان مسائل کے حل کا طریقہ دریافت کیا گیا جن میں کتاب وسنت واضح رہنمائی نہ دیتے ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب ارشاد فرمایا ينظر فيه العابدون من المؤمنين یعنی عبادت گزار اور تقوی شعار اہل ایمان اس پر غور کریں گے۔[(21)]

حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ قاضی شریح سے فرماتے ہیں۔

---

[18] ۔ تفسیر المنار ج:5، ص:181

[19] ۔ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر بحوالہ ابن مردویہ، جلد، 1، ص:32

[20] ۔ عمری، مولانا جلال الدین انصر، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، س ن ص:46،47

[21] ۔ سنن دارمی، باب ان الجواب فی مالیس فی کتاب ولا سنۃ، ص:28

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

اقضي بما استبانا لك من كتاب الله فان لم تعلم كل كتاب الله فاقض بماستبانا لك من قضاء رسول الله فان لم تعلم كل قضاء رسول الله فقضي بمااستبانا لك من الائمه المهتدين وان لم تعلم كلما قذت به الائمه المهتدين فاجتهد رايك واستشر اهل العلم والصلاح ([22])

ترجمہ: اللہ کی کتاب سے جو تمہیں رہنمائی حاصل ہو اس کے مطابق فیصلہ کرو اگر تمہیں پوری کتاب اللہ کا علم نہیں ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فیصلہ معلوم ہو، تو اس کے مطابق فیصلہ کرو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے فیصلے سے بھی آگاہی نہ ہو تو ہدایت یافتہ آئمہ کے طریقے کے مطابق فیصلہ کرو، اگر تمہیں آئمہ مہتدین کے سب فیصلوں کا علم نہیں ہے تو خود اجتہاد کرو اور اہل علم اور اصحاب صلاح سے مشورہ کرو۔"

اس حدیث پاک میں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ اگر کسی معاملے میں قرآن وسنت سے واضح رہنمائی نہ ملے تو آئمہ مہتدین کی رائے معلوم کرلی جائے نہیں تو اجتہاد کیا جائے اس موقع پر قاضی دمشق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کا جو مکالمہ ہوا ہے اس کو درج کرنا بھی سود مند رہے گا۔

حضرت عمر: فیصلہ کس طرح کرتے ہو؟

قاضی دمشق: کتاب اللہ کے مطابق

حضرت عمر: اگر کسی مسئلے کا حل کتاب اللہ میں نہ ملے تو کیا کرتے ہو؟

قاضی دمشق: سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہوں

حضرت عمر: اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی سنت میں بھی رہنمائی نہ ملے تو پھر کیا صورت اختیار کرتے ہو

قاضی دمشق: اجتہاد کرتا ہوں اور اپنے ہم نشینوں سے مشورہ کرتا ہوں

حضرت عمر: بہت خوب ([23])

اس مکالمے سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب کسی سماجی، معاشرتی، سیاسی ،دینی ، معاملے میں امیر مملکت کے سامنے واضح کوئی نص موجود نہ ہو تو اہل حل وعقد سے مشاورت کرلے یا پھر اجتہاد کرلیں۔

سلمہ بن مخلد نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا کہ ہمیں محکمہ قضا کے لیے مجبور کیا گیا ہے بتایئے کن بنیادوں پر فیصلہ کیا جائے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ نے جواب دیا کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرو اگر کتاب اللہ میں حل نہ ملے تو سنت کی طرف رجوع کرو اگر سنت میں بھی کوئی جواب نہ ملے تو اہل الرائے حضرات کو بلاؤ اور ان سے مشورہ کر کے فیصلہ دو۔([24])

مشہور تابعی حضرت عروہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز سے دریافت کیا کہ فیصلہ کیسے کیا جائے جواب دیا ۔

ان راس القضاء اتباع ما في كتاب الله ثم القضاء بسنه رسول الله ثم بحكم ائمه الهدى ثم استشاره بالعلم والراي۔

ترجمہ: قضا کا بہترین طریقہ کتاب اللہ کی اتباع ہے پھر سنت رسول اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا پھر آئمہ خدا کے نظائر کے مطابق فیصلہ کرنا اگر یہاں بھی مسئلہ حل نہ ہو تو اصحاب علم ورائے سے مشورہ کے بعد فیصلہ کرنا چاہیے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تمام علاقوں میں یہ حکم نافذ کر دیا تھا کہ ہر مقام کے لوگوں کو وہاں کے فقہاء کے متفقہ رائے کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہے۔([25])

---

[22] ۔ کنزالعمال جلد نمبر 3، صفحہ: 147

[23] ۔ کنزالاعمال جلد 3 صفحہ 174

[24] ۔ایضا، ص: 175

[25] ۔ سنن دارمی، باب اختلاف الفقہاء صفحہ 80

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں کچھ معاملات امت کے اہل حل وعقد پر چھوڑ دیے تھے جیسے کہ حضرت علی المرتضی کے اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

عن علي قال رسول الله صلى الله عليه واله وسلم لو كنت مؤمرا احدا دون مشوره المؤمنين لامرت ابن امي عبد ([26])

یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں کسی کو بغیر مشورہ کے امیر بناتا تو عبداللہ بن مسعود کو بناتا۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چاہت کو ترجیح نہیں دیتے تھے بلکہ مشاورت کو اہمیت دیتے تھے یہی تو وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ امت کے بہترین افراد میں سے تھے اور مسلمانوں کی امارت کے زیادہ مستحق تھے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حیات میں ان کی نامزدگی کا اعلان نہیں کیا بلکہ امت کے اہل حل وعقد پر چھوڑ دیا۔

مجلس شوری کے اختیارات

اسلامی ریاست میں مجلس شوری کی بہت اہمیت ہے یہ وہ ادارہ ہے جو ریاست کے لیے منہج کا تعین کرتا ہے اس ادارے کی رہنمائی کے نتیجے میں ریاست پھلتی پھلتی ہے اور رعایا کی خدمت کرتی ہے اسلامی ریاست میں مجلس شوری یا مقننہ کی بنیاد اجتماعیت کے فیصلے یا شریعت پر ہے جب یہ مجلس تشکیل پا جائے تو اس کی اطاعت اور اتباع بھی ضروری ہے اس لیے شریعت مطہرہ نے مجلس قانون سازیا مجلس شوری کو اختیارات دیے ہیں یہ اختیارات محدود ہیں چونکہ صدر اول میں نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم بذریعہ وحی اس مجلس شوری کے صدر یا منتظم اعلی کے طور پر تھے اور تمام فیصلے وحی الہی کے مطابق ہوا کرتے تھے الا یہ کہ کچھ معاملات میں صحابہ کرامؓ کی مشاورت شامل ہوتی تھی جس کی مثالیں کتب تاریخ میں موجود ہیں۔ مجلس شوری کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں محدود اختیارات حاصل ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

قانون سازی کا اختیار

وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ اسلامی شریعت کو ہم اہنگ کرنا ماہرین شریعت کا کام ہوتا ہے اور اہل حل وقد یہ ذمہ داری سنبھالتے ہیں اس مقصد کے لیے مجلس قانون ساز کو یہ اختیار حاصل ہے کہ نئے پیش امدہ مسائل کے حل کے لیے قانون سازی کرے اس قانون سازی کے معیارات فقہائے کرام نے تفصیل سے بتلادیے ہیں جس میں قران وسنت اجماع قیاس استحصال اور مصالحہ مرسلہ وغیرہ جیسے ذرائع موجود ہیں ان ذرائع کی روشنی میں پیش امدہ مسائل کے لیے قانون سازی کی جائے گی اس بارے میں ارشاد باری تعالی یہ ہے۔

يا ايها الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا الرسول واولي الامر منكم۔ [27]

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اختیار والوں یعنی اولی الامر کی بھی اطاعت کرو۔

اولی الامر کے حوالے سے بڑی تفصیلی گفتگو ہو چکی ہے فقہائے کرام کے نزدیک اولی الامر سے مراد اہل حل وعقد ہیں یعنی مجلس شوری کے ارکان جو حقیقت میں دینی بصیرت کے ساتھ ساتھ دنیاوی واقفیت بھی رکھتے ہیں اور عمل اور کردار کے غازی بھی ہوتے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ مجلس شوری قران وسنت کے منافی کوئی قانون نہیں بنا سکتی جس طرح کہ مغربی جمہوریت میں لیجسلیٹو کو نسل کو بے حد اور لا محدود اختیارات دیے گئے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ ہر نوع کے قوانین بنا سکتے ہیں شریعت مطہرہ نے محدود اختیار دیے ہیں۔

قوانین میں ترمیم کا اختیار

[26] ۔مسند احمد رقم الحدیث: 566

[27] ۔النساء،59:4

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

مجلس شوری کو دوسرا جو اختیار حاصل ہوتا ہے وہ یہ کہ جو قوانین پہلے سے بنے ہوئے ہیں ان میں ضرورت اور حالات اور واقعات کے مطابق ترمیم کرے لیکن بنیادی شرط یہ ہے کہ یہ ترمیم قرآن مجید اور سنت نبویہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے منافی نہ ہو۔ مرور زمانہ کے ساتھ قران مجید احادیث مبارکہ یا پوری شریعت مطہرہ کو قابل عمل بنانے کے لیے پہلے سے بنائے گئے ضمنی قوانین میں ترامیم بھی کی جاسکتی ہے گو کہ یہ موضوع اختلافی ہے اس میں مختلف لوگوں کی اپنی اپنی رائے ہیں جیسے کہ مولانا اسحاق سندیلوی اور مولانا محمد ادریس کاندلوی رحمۃاللہ علیہ کا الگ موقف ہے اور علامہ اسد کا اس سے مخالف موقف ہے بہر حال اختلاف اپنی جگہ پر لیکن مجلس شوری کو ترمیم کا اختیار حاصل ہے۔

شریعت مطہرہ کے قانون کے مطابق پالیسی بنانے کا اختیار

مجلس قانون ساز یا مجلس شوری کو یہ اختیار بھی حاصل ہے اسلامی ریاست میں کہ جو قوانین بن جاتے ہیں ان قوانین کو عملی صورت دینے کے لیے پالیسی یعنی حکمت عملی بنائیں کہ اس قانون کو کب کیسے نافذ العمل کر دیا جائے اور کن کے ذریعے سے نافذ العمل کر دیا جائے یہ بھی مجلس شوری کا اختیار ہے۔

نگرانی اور احتساب کا اختیار

اسلامی ریاست کی مجلس قانون ساز کو یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ سربراہ مملکت اور اس کے ماتحت جملہ عمال کی نگرانی کرے اور ان کا احتساب کرے تاکہ کوئی شخص ایسا نہ ہو جو خود کو قانون سے ماورا سمجھے۔ گو کے نگرانی کا فریضہ انتظامیہ کا ہی ہے لیکن شریعت مطہرہ نے مجلس قانون ساز کو بھی یہ اختیار دیا ہے کہ وہ پارلیمنٹ کے ارکان اور خود ملک کے سربراہ کی نگرانی اور احتساب کرے۔

مشورہ کے فیصلے پر عمل درامد کا اختیار

اسلامی ریاست میں مجلس شوری کا یہ بھی اختیار ہوتا ہے کہ وہ مشورے میں جو فیصلے ہوتے ہیں ان فیصلے کو نافذ العمل کرے اس حوالے سے اپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بہترین مثالیں ملتی ہیں مثال کے طور پر غزوہ احد کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوان صحابہ سے جب مشورہ لیا تو ان کی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے باہر جا کر جنگ کی جائے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی رائے یہ تھی کہ مدینہ میں اندر رہ کر دفاع کیا جائے لہذا اپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رائے کی بجائے صحابہ کرامؓ کی مشاورت کو اہمیت دی اور اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا۔ گویا کہ اپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی رائے کی مخالفت کر سکتے تھے لیکن اگر اپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کی رائے کا خیال نہ رکھتے اور اپنا فیصلہ صادر فرماتے تو اسلامی ریاست میں شورایت کا نظام ختم ہو جاتا ہے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک عہد میں شریعت کی بہترین مثالیں قائم فرمائی ہیں۔

مالیاتی اختیار

اسلامی ریاست میں مجلس شوری کو کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ مالیات کے نظام کو بہتر کرنے کے لیے ضمنی قوانین بنائیں جیسے زکوۃ صدقات اور غنائم کے حوالے سے ذیلی احکام کی توضیح اور تشریح کرتے ہوئے نئے پیش امدہ مسائل کے بارے میں قوانین بنانا اس کی بے شمار مثالیں صحابہ کرامؓ کے زمانے سے ملتی ہیں جیسے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے تالیف قلب کے حوالے سے فیصلہ صادر فرمایا کہ اب یہ مصارف زکوۃ میں شامل نہیں ہے اس کے علاوہ بے شمار مثالیں مل سکتی ہیں۔

عہد نبوی ﷺ اور عہد خلفائے راشدینؓ کی مجلس شوری اور پاکستانی پارلیمنٹ کا تقابل

پاکستان ایک اسلامی فلاحی ریاست ہے اور اس کے قیام کے مقاصد میں سب سے پہلا نعرہ جو لگایا گیا تھا وہ یہ تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا ہے لا الہ الا اللہ یہ بہت اچھا نعرہ ہے اور حقیقت میں ایسا ہونا بھی چاہیے تھا کہ متحدہ ہندوستان کو جب تقسیم کیا گیا تو اس خطے کے باسیوں کی یہ خواہش تھی کہ ان کے لیے ایک ایسا خطہ عرض ملے کہ جہاں پر وہ قران مجید اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق زندگی گزار سکیں لیکن عملی طور پر یہ کام محال ہے اور ابھی تک اس ملک میں لا الہ الا اللہ کا نظام قائم نہیں ہو سکا گو کہ پاکستان کے دستور اور ائین میں قرارداد مقاصد کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور قرارداد مقاصد کے بنیادی ارٹیکل میں یہ بات شامل ہے کہ کوئی قانون قران مجید اور سنت نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نہیں بنایا جائے گا لیکن عملی طور پر ایسا نہیں ہو رہا درج ذیل نکات کی روشنی میں دونوں نظام ہائے زندگی کا جائزہ لیا جائے گا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور خلفائے راشدین کے زمانے میں مجلس شوری اور پاکستانی پارلیمنٹ دونوں کا تقابل پیش کیا جائے گا۔ ویسے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES

ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 04 (2025)

صحابہ کرامؓ کی قائم کردہ مجلس شوری کا تقابل کرنا پاکستانی پارلیمنٹ کے ساتھ گویا کہ یہ عقلی دینی اخلاقی اور معاشرتی اعتبار سے درست جائزہ نہیں ہے لیکن علمی اعتبار سے اس کے چند پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

شورائی نظام

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک زمانہ اور خلفائے راشدین کا مبارک زمانہ یہ اسلام کے اولین ماڈل ریاست کے طور پر تصور کیے جاتے ہیں اس نظام کی شان شورائیت تھی مساوات تھی وحدت اور حریت تھی نظام حکومت کا انداز جمہوری تھا تمام ارکان مجلس شوری کے فیصلے کے پابند تھے اور شریعت مطہرہ سے بخوبی واقف تھے۔ دوسری جانب پاکستانی پارلیمنٹ کے اندر بظاہر ایک شورائی نظام ہے ووٹنگ کا نظام ہے لیکن یہاں پر ایک مخصوص طبقے کی بالادستی ہے اور سورۃ کا نظام درہم برہم ہے۔

پاکستان میں مجلس شوری کی اصلاح کے لیے تجاویز وسفارشات:

1. پاکستان میں مجلس شوری یا پارلیمنٹ کی اصلاح کے لیے درج ذیل تجویز پیش کی جاتی ہے
2. نمبر ایک مجلس شوری حقیقت میں شریعت کا پیکر ہو یہاں پر طبقاتی اور نسلی امتیاز نہ ہو بلکہ حقیقی جمہوریت ہو نمبر دو یہاں ارکان پارلیمنٹ کا منشا اور مقصد خدمت خلق ہو موجودہ مفاد پرستی کو ختم کیا جانا چاہیے
3. سرکاری وسائل کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنے کا کلچر ختم کر دینا چاہیے کیونکہ سرکاری وسائل حقیقت میں ذرائع ہیں جو مفاد عامہ کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں اور سرکاری عمار کو اس کا استعمال صرف اس حد تک ہے کہ وہ ملک اور قوم اور عوام کی خدمت کر سکے اپنی ذاتی خدمت کے لیے اس کو استعمال نہ کیا جائے
4. ارکان پارلیمنٹ کو چاہیے کہ وہ اپنے رسوخ استعمال کرتے ہوئے مختلف افراد کے تقرر نہ کریں بلکہ تمام تقرر کو تقرریوں اور تعیناتیوں کو میرٹ کی بنیاد پر کرنے دیں
5. ارکان پارلیمنٹ اور مجلس شوری کو چاہیے کہ وہ اپنا اپنے اپ کو احتساب کے لیے پیش کرے اگر وہ اپنے اپ کو احتساب کے لیے خود پیش نہیں کرتے تو یقینا عوام بھی احتساب سے باغی ہو جائیں گے
6. ارکان پارلیمنٹ کے وظائف مراعات اور تنخواہیں جو ایک عام ادمی کے اعتبار سے بڑے فرق کا سبب ہے باقی ملازمین کی تنخواہیں اور ارکان پارلیمنٹ کی تنخواہوں میں زمین اور اسمان کا فرق ہے یہ فرق ختم ہونا چاہیے
7. ارکان پارلیمنٹ کو چاہیے کہ وہ طے شدہ تنخواہ اور مراد سے زیادہ کا مطالبہ نہ کرے اور اپنے اختیارات کو ناجائز استعمال نہ کریں
8. ارکان پارلیمنٹ کو چاہیے کہ وہ اپنا اخلاقی معیار برقرار رکھے اور کسی بدکرداری کا مرتکب نہ ہو اور رعایا کے لیے ایک اخلاقی معیار بن جائے۔